روایۃ الحدیث بالمعنی کی تجویز
فقہاء اور محدثین کے اقوال کے تناظر میں

* پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی

علماء حدیث کے ہاں اصول روایت کے اساسی اور بنیادی مباحث میں سے ایک اہم بحث متن حدیث کے ضبط سے متعلق ہے۔ بنیادی طور پر ضبط کی دَو (2) قسمیں ہیں۔ ایک ضبط ظاہر اور دوسری ضبط باطن۔ ضبطِ ظاہر سے مراد ضبطِ لفظی ہے اور ضبطِ باطن سے مراد ضبطِ معنوی ہے۔ اس مقالہ میں ضبط کے ان دونوں پہلوؤں پر بحث کی جائے گی اور اس بارے میں فقہاء اور محدثین کے اقوال کا تقابلی جائزہ لیا جائے گا۔ تمہید کے طور پر روایۃ باللفظ اور روایۃ بالمعنی کا مفہوم پیش کیا جاتا ہے۔

روایۃ باللفظ

روایۃ باللفظ سے مراد یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے جن الفاظ اور کلمات کے ساتھ حدیث اخذ کرے۔ انہی کلمات اور الفاظ کے ساتھ اسے اپنے پاس محفوظ کر لے۔ حدیث کے الفاظ اور کلمات میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کرے۔ اس کے بعد جب اپنے تلامذہ (شاگردوں) کے سامنے اس حدیث کو روایت (بیان) کرے تو بھی اس کے الفاظ اور کلمات کا پورا پورا خیال رکھے۔ علمائے حدیث کے ہاں ضبط لفظی کو "ضبطِ ظاہر" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ضبط اور روایت کا سب سے اعلیٰ اور قابل ترجیح طریقہ ہے۔

---

* مدیر مسؤل، "معارفِ اسلامی"، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

روایۃ بالمعنی:

روایۃ بالمعنی سے مراد یہ ہے کہ راوی حدیث کے الفاظ وکلمات کے بجائے، حدیث کے معنی ومفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کرے۔

حافظ ابن الصلاح روایۃ بالمعنی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(إذا أراد روایة ماسمعه علی معناه دون لفظه) (۱)

جب راوی حدیث کے الفاظ کے بجائے اس کے معنی ومفہوم کی روایت (بیان) کرے......تو اس کا یہ عمل ''روایۃ بالمعنیٰ'' کہلائے گا......مقصد یہ ہے کہ راوی کے پاس جو حدیث ہے وہ اس کو ہو بہو الفاظ کے بجائے اس کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں پیش کرے۔

حدیث کی روایت کے سلسلے میں علمائے حدیث کا اصول یہ ہے کہ اس میں انتہائی اہتمام سے کام لیا جائے۔ یہاں تک کہ حروف اور اعراب تک کا خیال رکھا جائے۔ اس لئے بعض علماء کے نزدیک ''روایۃ بالمعنی'' جائز نہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ حدیث کی اہمیت اور حیثیت کو پیش نظر رکھ کر ''روایۃ باللفظ'' ہی کو بنیاد بنانا چاہیے۔ اور روایۃ بالمعنی کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ علماء کی ایک اور جماعت کے نزدیک روایۃ باللفظ اور روایۃ بالمعنی دونوں جائز ہیں۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ راوی اگر حدیث کے الفاظ اور ترتیب وترکیب سے پوری طرح واقف ہو اور اتنی صلاحیت رکھتا ہو کہ حدیث کے مفہوم کو کسی تغیّر کے بغیر اپنے الفاظ میں منتقل کر سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں اگر راوی حدیث کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں پیش کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اس کیلئے ''روایۃ بالمعنی'' بالکل جائز نہیں۔ امام غزالی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

(قال العلماء : نقل الحدیث بالمعنی دون اللفظ حرام علی الجاهل بمواقع الخطاب، و دقائق الالفاظ) (۲)

جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ جو راوی حدیث کی ترتیب وترکیب اور اسکے الفاظ کے صحیح مفہوم سے واقف نہ ہو اس کے لئے ''روایۃ بالمعنی'' حرام ہے۔ ہاں اگر راوی ایسا ہو کہ محتمل اور غیر محتمل میں فرق کر سکتا ہو۔ ظاہر اور اظہر کو

جانتا ہو، عام اوراعم سے واقف ہوتو اس کے لئے روایۃ بالمعنی جائز ہے۔ امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہ، جمہور فقہاء اور محدثین کی اکثریت کا یہی مسلک ہے۔

حافظ ابن الصلاح ''روایۃ بالمعنی'' کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(فإن لم يكن عالماً عارفاً بالالفاظ و مقاصدها......) (۳)

اگر راوی کو حدیث کے الفاظ وکلمات کے مقاصد ومفہوم کی صحیح سمجھ نہ ہو وہ یہ نہ جانتا ہو کہ الفاظ کی تبدیلی سے مفہوم میں کیا تبدیلی آتی ہے......اسے یہ علم نہ ہو کہ الفاظ اور متبادل الفاظ میں کیا فرق ہے......تو ایسے راوی کے لئے بالاتفاق جائز نہیں کہ وہ ''روایۃ بالمعنی'' سے کام لے۔ اس کیلئے ضروری ہے کہ حدیث کی روایت انہی الفاظ میں کرے جو اس نے اپنے شیخ سے سنے ہیں اوران میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کرے۔

امام ابن حزم اندلسی ظاہری ''روایۃ بالمعنی'' کے ضمن میں لکھتے ہیں:

(وأما من حدث و أسند القول إلى النبيّ ﷺ وقصد التبليغ لما بلغه عن النبي ﷺ فلايحل له إلا ان يتحرى كما سمعها، لا يبدل حرفا مكان اخر وإن كان معناهما و احدا ولا يقدم حرفا ولا يؤخر آخر) (۴)

حدیث کا جو بھی راوی رسول اللہ ﷺ کے کسی ارشاد کو روایت کرنا چاہے اوراس کی نیت یہ ہو کہ جو حدیث اس کے پاس ہے وہ امت مسلمہ کے دوسرے افراد تک پہنچ جائے تو اس صورت میں اس کے لئے ضروری ہے کہ انہی الفاظ کے ساتھ حدیث روایت کرے جن کے ساتھ اس نے اپنے شیخ سے حدیث اخذ کی ہے۔ کسی لفظ کو دوسرے لفظ کے آگے پیچھے نہ رکھے۔ یعنی الفاظ کی ترتیب کو بھی ملحوظ رکھے۔

علامہ سیف الدین الآمدی نے اپنی کتاب ''الاحکام فی اصول الاحکام'' میں اس موضوع پر بہت عمدہ اور مفید گفتگو کی ہے۔ آپ اس ضمن میں فقہاء کا موقف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(والذى عليه اتفاق الشافعى، ومالک وابو حنيفه و احمد بن حنبل والحسن البصرى......) (۵)

امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام حسن بصری اور جمہور فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس راوی کو الفاظ کے مدلولات اور مواقع کے اختلاف کا علم نہ ہو اس کیلئے ''روایۃ بالمعنی'' حرام ہے۔

راوی اگر حدیث کے الفاظ، کلمات اور اسکی ترتیب وترکیب سے پوری طرح واقف ہو اور علمی رسوخ رکھتا ہو تو اس کے لئے ''روایۃ بالمعنی'' جائز ہے یا نہیں......؟ اس پہلو سے بھی علماء کے اقوال میں اختلاف ملتا ہے...... جمہور کے نزدیک علمی صلاحیت رکھنے والے راوی کے لئے ''روایۃ بالمعنی'' جائز ہے۔ لیکن بعض محدثین اور فقہاء کے نزدیک ''روایۃ بالمعنی'' بالکل جائز نہیں...... حافظ ابن الصلاح اس بارے میں لکھتے ہیں:

(اما إذا كان عالماً عارفاً بذلک فهذا مما اختلف فيه......) (٦)

اگر راوی حدیث کے متن کو ہر پہلو سے سمجھتا ہو تو اس بارے میں محدثین، فقہاء اور اہل اصول کا اختلاف ہے جمہور نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ بعض محدثین اور شافعیؒ علماء کی ایک جماعت نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

(فالخلاف فيها شهير والاكثر على الجواز ايضاً) (٧)

''روایۃ بالمعنی'' کے سلسلہ میں اختلاف مشہور ہے لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ راوی اگر عالم ہو تو اسکے لئے جائز ہے۔

''روایۃ بالمعنی'' کے ضمن میں علماء سے جتنے اقوال منقول ہیں ان سب کو جمع کر کے دیکھا جائے تو تین موقف سامنے آتے ہیں۔

(i) ''روایۃ بالمعنی'' مطلقاً جائز ہے۔

(ii) ''روایۃ بالمعنی'' مطلقاً ناجائز ہے۔

(iii) ''روایۃ بالمعنی'' شروط کے ساتھ جائز ہے۔

اب ہم ان تینوں مسالک پر ترتیب کے ساتھ بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ ہر گروہ نے اپنے اپنے مؤقف کے حق میں جو دلائل دیئے ہیں ان کی نوعیت اور حیثیت کیا ہے۔ سب سے پہلے ان علماء کا موقف پیش کیا جاتا ہے جن کے نزدیک ''روایۃ بالمعنی'' جائز ہے۔

روایۃ بالمعنی جائز ہے

جن حضرات کے نزدیک ''روایۃ بالمعنی'' جائز ہے وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جسے امام ابن مندہ نے معرفۃ الصحابہ اور امام طبرانی نے معجم کبیر میں نقل کیا ہے۔

((عن عبدالله بن سليمان بن اكتمه الليثى قال: قلت : يا رسول الله انى أسمع منک الحديث لا استطيع أن أوديه كما اسمع منک يزيد حرفا أو ينقص حرف، فقال: إذا لم تحلوا حراماً ولم تحرموا حلالاً ، وأصبتم المعنى فلا بأس...... فذكر ذلک للحسن فقال: لولا هذا ما حدثنا)) (۸)

عبداللہ بن سلیمان کہتے ہیں ''میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا اللہ کے رسول! میں آپ سے حدیث سنتا ہوں لیکن کما حقہ اسے ادا نہیں کر سکتا۔ ادائیگی میں مجھ سے حروف کی کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ میری عرض سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں اگر حرام اور حلال کا مسئلہ پیدا نہ ہو اور مفہوم کو تم پوری طرح سمجھو تو حروف میں کمی بیشی کوئی ایسی بات نہیں''۔

اس حدیث کا تذکرہ جب امام حسن (بصری) کے سامنے کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اگر مفہوم بیان کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو ہم روایت کیسے کرتے؟

امام شافعی رحمہ اللہ نے (انزل القرآن على سبعة أحرف فاقروء ا ماتيسر منه) کو بنیاد بنا کر اس ضمن میں گفتگو کی ہے۔ آپ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

(وإذا كان الله بِرأفته بخلقه انزل كتابه على سبعة أحرف علمنا منه بأن الكتاب قد نزل لتحل لهم قرأته ، وإن اختلف لفظهم فيه مالم يكن اختلافهم احالة معنى كان ما سوى كتاب الله اولى أن يجوزفيه إختلاف اللفظ مالم يحل معناه) (۹)

جب اللہ جل شانہٗ نے مخلوق پر کمال مہربانی کرتے ہوئے اپنی کتاب کو سات حرفوں میں نازل فرمایا تو اس سے بآسانی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کریم کا اس طرح (سات حروف میں) نزول تلاوت کرنے والوں کی سہولت کے لئے کیا گیا ہے...... اگر قرآن سات حرفوں میں نازل ہوا ہے تو دیگر امور میں تو الفاظ کا اختلاف بطریق اولی جائز ہوگا۔ بشرطیکہ معنی ومفہوم تبدیل نہ ہو۔

امام بیہقی نے امام مکحول الدمشقی سے نقل کیا ہے۔ آپ رحمہ اللہ کہتے ہیں:

(دخلت أنا و أبو الازهر على واثلة بن الأسقع فقلنا له، يا أبا الأسقع! حدثنا بحديث سمعته' من رسول الله ﷺ ليس فيه وهم ولا مزيد ولا نسيان......) (۱۰)

امام مکحول رحمہ اللہ کہتے ہیں ''میں اور ابواُلازھر واثلہ بن الاسقع کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے دورانِ گفتگو آپؓ سے کہا: ابوالاسقع! ہمیں کوئی ایسی حدیث سنا دیجئے جو آپ نے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست سنی ہو اور اس کے بارے میں آپ کو کسی قسم کی کمی بیشی کا وہم نہ ہو۔ ہماری بات سن کر آپؓ نے ہمیں مخاطب کیا اور کہا: آپ میں سے کسی نے قرآن کا کچھ حصہ حفظ کیا ہے؟ ہم نے کہا ہاں، لیکن ہم اتنے اچھے حافظ نہیں، ہم سے ''واؤ'' اور ''ہمزہ'' میں کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ ہماری بات سن کر حضرت واثلہ نے کہا: یہ قرآن ہے جو تمہارے پاس محفوظ و مکتوب ہے۔ تم اس کے حفظ میں پورا اہتمام کرتے ہو اس کے باوجود تمہارا خیال ہے کہ، واؤ اور ھمزہ کی کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ جب قرآن کے حفظ کا یہ حال ہے تو حدیث کی روایت میں کیونکر ممکن ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے جن الفاظ وکلمات کے ساتھ سنا انہی الفاظ کے ساتھ اس کی روایت کریں۔ ممکن ہے کہ روایات ایسی ہوں جو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے محض ایک بار سنی ہوں۔ آپ لوگوں کو اگر ہم حدیث کا معنی ومفہوم بتا دیں تو یہ آپ کے لئے کافی ہے۔

امام بیہقی نے جابر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے کہا: **(انا قوم عرب نردد الأحاديث فنقدم و نوخر) (۱۱)**

ہم عربوں کا طریقہ یہ ہے کہ باتوں کو دہراتے رہتے ہیں اس لئے تقدیم وتاخیر ہو جاتی ہے۔

امام بیہقی، شعیب بن الحجاب سے نقل کرتے ہیں آپ نے کہا:

(دخلت انا و عبد ان علی الحسن، فقلنا: یا أبا سعید! الرجل یحدث بالحدیث فیزید فیه أو ینقص منه': قال: إنما الکذب علی من تعمد ذلک) (۱۲)

میں اور عبدان حضرت حسن بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے بات چیت کے دوران میں ہم نے آپ سے پوچھا: ابوسعید! اس راوی کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں جو حدیث روایت کرتے وقت حروف میں کمی بیشی کرتا ہے؟۔ آپ نے فرمایا: اس کا یہ عمل جھوٹ کے زمرہ میں نہیں آتا۔ جھوٹا راوی وہ ہے جو جان بوجھ کر حدیث کے الفاظ میں کمی بیشی کرتا ہے اور اس کے مفہوم کو بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔

جریر بن حازم کہتے ہیں:

(سمعت الحسن یحدث بأحادیث، الأصل واحد والکلام مختلف)(۱۳)

میں نے حضرت حسن بصری سے کئی ایسی روایات سنیں جن کا مفہوم ایک تھا اور الفاظ مختلف تھے۔

ابن عون کہتے ہیں:

(کان الحسن وابراھیم الشعبی یأتون بالحدیث علی المعانی)(۱۴)

حسن بصری، ابراہیم نخعی اور شعبی حدیث کی روایت کرتے وقت معنی ومفہوم کو پیش نظر رکھتے تھے اور قاسم بن سعید، ابن سیرین اور رجاء بن حیوہ الفاظ وحروف کا التزام کرتے تھے۔

ابواویس کہتے ہیں:

(سألنا الزھری عن التقدیم والتأخیر فی الحدیث. فقال: إن ھذا یجوز فی القرآن فکیف به فی الحدیث؟ إذا أصبت معنی الحدیث فلم تحل به حراماً ولم تحرّم به حلالاً فلا بأس) (۱۵)

ہم نے امام محمد بن شہاب الزہری سے حدیث کے الفاظ میں تقدیم وتاخیر کے بارے میں پوچھا۔تو آپ نے فرمایا: تقدیم وتاخیر اگر آیات میں جائز ہے تو روایات میں کیوں جائز نہیں۔اگر آپ کی رسائی حدیث کے صحیح مفہوم تک ہے اور الفاظ کی تبدیلی سے حرام، حلال اور حلال، حرام نہیں ہوتا تو ایسی تبدیلی میں کوئی حرج نہیں۔

سفیان کہتے ہیں:

(كان عمر بن دينار يحدث بالحديث على المعنى، وكان إبراهيم بن ميسره لا يحدث إلا على ماسمع) (١٦)

عمرو بن دینار حدیث کا معنی ومفہوم بیان کرتے تھے اور ابراہیم بن میسرہ حدیث کے الفاظ وکلمات کا اہتمام کرتے تھے۔

حضرت وکیع کہتے ہیں:

(إن لم يكن المعنى واسعا فقد هلك الناس) (١٧)

حدیث کی روایت میں اگر مفہوم بیان کرنے کی گنجائش نہ ہو تو حدیث کے رواۃ کے پاس کوئی راستہ نہیں رہے گا۔

حافظ ابن حجر ان اقوال کو پیش نظر رکھ کر اپنی تعلیق میں کہتے ہیں:

(ومن اقوى حججهم الاجماع على جواز شرح الشريعة بلسانها للعارف به، فاذا جاز الإبدال بلغة اخرى، فجوازه باللغة العربية أولى) (١٨)

روایۃ بالمعنی کے قائلین کے پاس سب سے زیادہ مضبوط اور ٹھوس دلیل یہ ہے کہ احکام شرعیہ کی تعبیر وتشریح دوسری زبانوں میں بالاتفاق جائز ہے۔اگر عربی کے علاوہ دیگر زبانوں میں شریعت کی تشریح وتفسیر جائز ہے تو عربی زبان میں متبادل الفاظ کا سہارا لیکر مفہوم بیان کرنے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔

خطیب بغدادی نے ''الکفایۃ'' میں حافظ سخاوی نے ''فتح المغیث'' میں اور علامہ جلال الدین السیوطی نے ''تدریب الراوی'' میں اس موضوع پر اچھی خاصی روایات جمع کی ہیں۔تفصیل کے لیے ان مصادر سے استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

روایۃ بالمعنی جائز نہیں

علماء کی ایک جماعت کے نزدیک روایۃ بالمعنی جائز نہیں۔ان حضرات کا موقف یہ ہے کہ راوی جن الفاظ و کلمات کے ساتھ حدیث اپنے شیخ سے حاصل کرے انہی الفاظ وکلمات کے ساتھ اس کی روایت کرے۔الفاظ و کلمات میں تقدیم وتاخیر اورتبدیلی ان حضرات کے ہاں جائز نہیں۔یہاں ہم دیکھیں گے کہ ان حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں کس نوعیت کے دلائل دیئے ہیں۔اس موقف کا ذکر کرتے ہوئے خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

(قال كثير من السلف وأهل التحرى فى الحديث لا تجوز الرواية على المعنى، بل يجب مثل تأدية اللفظ بعينه من غير تقديم ولا تاخير ولا زيادة ولا حذف......) (١٩)

علمائے سلف اور حدیث کے معاملہ میں محتاط رہنے والے علماء کی بڑی جماعت کا موقف یہ ہے کہ روایۃ بالمعنی جائز نہیں۔ان حضرات کا کہنا ہے کہ الفاظ کو تقدیم وتاخیر اور ترمیم کے بغیر ادا کرنا واجب اور ضروری ہے۔اس مؤقف سے تعلق رکھنے والے بعض علماء کی روایات اور اقوال کو ہم نے نقل کیا ہے۔ان کے اقوال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ راوی جس درجہ کا بھی ہو اس کیلئے ''روایۃ بالمعنی'' جائز نہیں۔وہ الفاظ کے مفہوم، ترتیب، موضوع اور متبادل کلمات میں متن بیان کرنے کی صلاحیّت رکھتا ہو تب بھی ضروری ہے کہ ''روایۃ باللفظ'' کرے۔

حافظ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں: (ذهب قوم إلى إتباع لفظ الحديث)(٢٠)

علماء کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ حدیث کی روایت کرتے وقت الفاظ وکلمات کا پورا پورا خیال رکھا جائے۔اس جماعت میں ابن عمر، قاسم بن محمد، ابن سیرین، رجاء بن حیوہ، مالک بن انس، ابن عیینہ، عبدالوارث، یزید بن ذریع اور وہیب شامل ہیں۔امام احمد بن حنبل اور یحیٰی بن معین کی رائے بھی یہی ہے۔

علامہ سیف الدین الآمدی لکھتے ہیں:

(ونقل عن إبن سيرين وجماعة من السلف وجوب نقل اللفظ على صورته...... وهو إختيار أبى بكر الرازى من أصحاب أبى حنيفة) (٢١)

امام ابن سیرین اور علمائے سلف کی ایک جماعت کا موقف یہ نقل کیا گیا ہے کہ حدیث کے الفاظ و کلمات کو ہُو بہ ہُو نقل کرنا ضروری اور لازمی ہے...... ائمہ احناف میں سے امام ابوبکر رازی نے اس موقف کو پسند کیا ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی لکھتے ہیں:

(وقيل لا تجوز له' الرواية بالمعنى مطلقاً، قاله' طائفة من المحدثين والفقهاء والأصوليين من الشافعية وغيرهم) (۲۲)

روایۃ بالمعنی کے ضمن میں ایک قول یہ ہے کہ حدیث کے راوی کیلئے روایۃ بالمعنی بالکل جائز نہیں۔ یہ موقف بعض محدثین، کچھ فقہاء اور شوافع میں سے ایک جماعت کا ہے۔

دلائل

ان حضرات کے پاس اپنے موقف کی تائید کیلئے بنیادی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

((عن عبدالله بن مسعودؓ قال: قال رسول الله ﷺ نضَّر الله امرأً سمع منا حديثاً فأدَّى كما سمعه' فرُبَّ مبلغ أوعى من سامع) (۲۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور پھر اس حدیث کو ہو بہ ہو دوسروں تک پہنچایا'' کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ براہِ راست سننے والے کے مقابلہ میں بالواسطہ سننے والا زیادہ سمجھ دار اور دانشمند ہوتا ہے۔ خطیب بغدادی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اپنی کتاب ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' میں یہ روایت نقل کی ہے:

(عن محمد بن علی قال: كان إبن عمر إذا سمع الحديث لم يزد فيه ولم ينقص منه ولم يجاوزه ولم يقصر عنه) (۲۴)

خطیب لکھتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ حدیث کے الفاظ و کلمات میں تقدیم و تاخیر کے بھی روادار نہیں تھے۔ اس ضمن میں آپ نے یہ روایت نقل کی ہے:

((عن عبید بن عمیر وهو یقص یقول: قال رسول الله ﷺ : مثل المنافق کمثل الشاة الرابضة بین الغنمین، فقال إبن عمر: ویلکم لا تکذبوا علی رسول الله ﷺ انما قال رسول الله : مثل المنافق کمثل الشاة العائرة بین الغنمین)) (۲۵)

''عبید بن عمر کہتے ہیں کہ ایک موقع پر وہ یہ حدیث بیان کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو دو بکریوں کے درمیان گھسٹ کر چلتی ہے''
ابن عمرؓ نے یہ کلمات سنے۔ تو فوراً اپنا ردعمل ظاہر کیا اور کہا: تم لوگوں کو کیا ہوا؟ کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وہ کلمات منسوب کر رہے ہو جو آپ ﷺ نے ادا نہیں کئے ہیں۔ پھر کہنے لگے: رسول اللہ ﷺ نے تو یوں ارشاد فرمایا ہے ''منافق کی مثال اس بچھڑی ہوئی بکری کی ہے جو بکریوں کی دو ٹکڑیوں کے درمیان چلے''۔

خطیب لکھتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو الفاظ میں بھی تقدیم و تاخیر گوارا نہ تھی۔ اس سلسلے میں آپ نے یہ روایت نقل کی ہے۔

یزید بن بشر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن عمرؓ سے پوچھا آپ حج وعمرہ کرتے ہیں لیکن جہاد نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے! جب اس شخص نے تین مرتبہ اپنا سوال دہرایا تو ابن عمرؓ نے اس کو مخاطب کیا اور کہا:

(ویحک انَّ الاسلام بنی علی خمس : شهادة ان لا اله الا الله، واقام الصلاة، و ایتاء الزکاة، وحج البیت، وصیام، رمضان، قال یزید بن بشر، فقلت له : وانا مستفهم بنی الاسلام علی خمس: شهادة ان لا اله الا الله، واقام الصلاة وایتاء الزکاةو صوم رمضان وحج البیت......فقال إبن عمر: لا حج البیت، ولکن وصیام رمضان......هکذا قال رسول الله ﷺ (۲۶)

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ اس بات کی گواہی کہ اللہ جل شانہٗ کے سوا کوئی معبود نہیں، نماز ادا کرنا، زکوۃ دینا، بیت اللہ کا حج کرنا اور

ماہِ رمضان میں روزے رکھنا۔ یزید بن بشر کہتے ہیں: میں نے کہا اور میں سمجھنا چاہتا تھا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ شہادت توحید، اقامت صلاۃ، اداء زکوٰۃ، رمضان کے روزے اور حج بیت اللہ۔ میری ترتیب سن کر ابن عمرؓ نے کہا: بیت اللہ کا حج نہیں بلکہ آخر میں ''صیام رمضان''۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ترتیب کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے۔

خطیب بغدادی نے اس بارے میں ایک اور روایت بھی نقل کی ہے:

(حدثنا سفيان : قال حدثنا الزهری أنه سمع انس بن مالک يقول: نهى رسول الله ﷺ عن الدباء والمزفت ان ينتبذ فيه ......فقيل لسفيان: ان ينبذ فيه؟......فقال: لا ، هكذا قال لنا الزهری) (۲۷)

سفیان کہتے ہیں کہ زہری نے انہیں بتایا کہ انہوں نے انس بن مالک کو یوں کہتے ہوئے سنا: رسول اللہ ﷺ نے دباء (کدو کا برتن) اور مزفت (تارکول ملا برتن) میں نبیذ بنانے سے منع کیا۔ سفیان ثوری سے پوچھا گیا کہ متن میں "ان ينبذ فيه" کے الفاظ ہیں یا ''أن ينتبذ فيه'' کے؟ سفیان نے جواب دیا! ہم نے زہری سے ''أن ينتبذ فيه'' کے الفاظ سنے ہیں۔ سفیان ثوری کا مقصد یہ تھا کہ جو کلمات انہوں نے امام زہری سے سنے ہیں وہی ان کے نزدیک قابل اعتماد اور قابل ترجیح ہیں۔

حضرت اعمش کہتے ہیں۔

(كان هذا العلم عند اقوام كان احدهم لأن يخر من السماء احب إليه من أن يزيد فيه واوا أوالف او دالاً) (۲۸)

یہ علم (حدیث) ان حضرات کے ہاتھوں میں رہا۔ جنہیں آسمان سے گرنا گوارا تھا لیکن اس میں واؤ، الف اور دال تک کا اضافہ گوارا نہ تھا۔

حدیث کا اصل مفہوم ضائع ہونے کا احتمال

جو حضرات روایۃ بالمعنی کے جواز کے قائل نہیں ان کی ایک اہم اور بنیادی دلیل یہ بھی ہے کہ روایۃ بالمعنی کی اجازت اگر دے دی جائے تو حدیث کے اصل مفہوم اور مقصد کی حفاظت بہت دشوار ہو جائے گی۔ سند میں اگر سات راوی ہوں اور ہر ایک راوی نے اپنے الفاظ میں ''متن'' روایت کیا ہو تو پہلے راوی سے لے کر ساتویں راوی تک متن کے الفاظ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہوں گے۔ عام طور سے ہوتا یہ ہے کہ سامع جب دوسروں کے سامنے کلام بیان کرتا ہے تو اس میں قدرتی طور پر رد و بدل ضرور کرتا ہے۔ علمائے حدیث نے متن کے الفاظ وکلمات کی حفاظت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ اصول اختیار کیا کہ روایۃ بالمعنی سے اجتناب کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ حدیث ان الفاظ وکلمات میں بیان کی جائے جن کلمات کے ساتھ وہ اوپر کے طبقات سے چلی ہو۔ اس سلسلے میں علامہ جلال الدین السیوطی نے قاضی عیاض کا یہ قول نقل کیا ہے۔

روایۃ بالمعنی کا سد باب بہت ضروری ہے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ جو راوی روایۃ بالمعنی کی صلاحیت سے عاری ہیں ان کا غلبہ ہو جائے اور جو روایۃ بالمعنی کی صلاحیت رکھتے ہیں وہ دب جائیں۔ عام طور پر یہی ہوتا ہے کہ لوگ رخصت کو بنیاد بنا کر احتیاط کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ کسی ایک دور کی بات نہیں ہر دور میں ایسا ہوتا آ رہا ہے۔ روایۃ بالمعنی کی اجازت کے مقابلہ میں یہ اصول بہر حال بہتر ہے کہ حدیث کی روایت باللفظ کی جائے اور اس کے متن میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے۔ خاص کر وہ روایات جن میں تعبدّی الفاظ بیان ہوتے ہوں۔ ان کی روایت میں یہ شرط لگائی جائے کہ انہیں ہو بہو نقل کیا جائے۔ (۲۹)

امام بیہقی اور خطیب نے امام مالک کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ حدیث کے علاوہ دیگر روایات کے بارے میں روایۃ بالمعنی کے قائل تھے۔ لیکن حدیث کی روایت میں لفظ کی رعایت آپ کے نزدیک واجب تھی۔ امام قرطبی کہتے ہیں کہ امام مالک روایۃ بالمعنی کے بالکل قائل نہیں تھے۔ آپ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

(ویدل علی ذلک قوله: لا اکتب الا عن رجل یعرف ما یخرج من رأسه وذلک فی جواب من قال له' :لم لم تکتب عن الناس و قد أدرکتهم

متوافرين وكذلك تركه الأخذ من لهم فضل وصلاح اذا كانوا لايعرفون مايحدثون) (۳۰)

امام مالک کا موقف اس لحاظ سے بالکل واضح ہے۔ایک بار جب آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے بہت سارے رواۃ کو پایا لیکن ان سے روایت نہیں لی۔تو آپ نے جواب دیا:

''میں کسی ایسے راوی سے اخذ نہیں کرتا جو اس حدیث کے بارے میں نہ جانتا ہو جس کے الفاظ وہ اپنی زبان سے بیان کرتا ہے''۔

امام مالک نے اپنے دور کے بڑے بڑے اہل فضل وکمال کی روایات کو اس لئے ترک کیا کہ وہ حدیث کی روایت کے معاملہ میں قابل اعتماد نہیں تھے۔

امام مالک کے اس اصول سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے دور میں روایۃ بالمعنی کا رواج تھا۔اس دور میں چونکہ روایات کا دارومدار حافظہ پر تھا اس لئے امام مالک،ابن سیرین اور امام ابوحنیفہ نے روایات کے اخذ اور تحدیث کیلئے ایسے اصول مقرر کئے جو دیگر فقہاء اور محدثین کے تداول کے مقابلہ میں زیادہ سخت تھے۔خطیب بغدادی نے اپنی کتاب ''الکفایۃ فی علم الروایۃ'' میں اس موضوع سے متعلق بہت ساری روایات نقل کی ہیں۔اور ہر پہلو سے اس کا جائزہ لیا ہے۔امام ابن حزم ظاہری نے ''الإحکام فی اصول الاحکام'' میں اس پر بحث کی ہے۔ابن حزم چونکہ روایۃ بالمعنی کے قائل نہیں اس لئے انہوں نے ''روایۃ باللفظ'' کے حق میں گفتگو کی ہے......شیخ طاہر بن صالح الجزائری نے ''توجیہہ النظر الی اصول الاثر'' میں اس موضوع کو بہت تفصیل کے ساتھ لیا ہے۔اور متقدمین ومتاخرین علماء کے اقوال کو بہت خوبصورتی کے ساتھ ترتیب دیا ہے......آپ اگر اس موضوع پر مزید تفصیلی مطالعہ کرنا چاہیں تو ان مصادر کی طرف رجوع کریں ۔ یہاں کوشش کی گئی ہے کہ بطور خلاصہ آپ کے سامنے علماء کے بنیادی اقوال پیش کئے جائیں۔

اب ہم ''روایۃ بالمعنی'' کے ضمن میں تیسرے موقف کا مطالعہ کریں گے۔اور دیکھیں گے کہ اس موقف سے تعلق رکھنے والے علماء نے اس موضوع کو کس زاویہ نگاہ سے دیکھا ہے اور اپنے موقف کی وضاحت میں کیا کچھ کہا ہے۔

روایۃ بالمعنیٰ شروط کے ساتھ جائز ہے

''روایۃ بالمعنیٰ'' کے سلسلے میں علماء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ یہ نہ تو مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز۔ بلکہ شروط کے ساتھ جائز ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

(فاما اذا کان عالماً عارفاً بذلک فھذا مما اختلف فیه السلف و أصحاب الحدیث، و أرباب الفقه و الأصول ، فجوَّزہ اکثرھم ......) (۳۱)

اگر راوی حدیث کے متن اور اس کے معنی و مفہوم کو پوری طرح سمجھتا ہو تو اس کی روایۃ بالمعنیٰ کے بارے میں محدثین، فقہا اور اہل اصول کے ہاں اختلاف ہے۔ جمہور نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ بعض علماء نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کی روایت میں ''روایۃ بالمعنیٰ'' کی اجازت نہیں دی ہے اور صحابہ و تابعین کے اقوال کو بالمعنیٰ نقل کرنے کی اجازت دی ہے...... زیادہ وقیع اور صحیح رائے یہ ہے کہ حدیث کی روایت میں ''روایۃ بالمعنیٰ'' جائز ہے۔ بشرطیکہ راوی عالم ہو اسے یقین ہو کہ حدیث کا جو متن اس تک پہنچا تھا اس نے اس کے معنی و مفہوم کو پوری طرح ادا کر دیا۔ اس جواز کی بنیاد صحابہ کرام اور علماء سلف کے اس معمول پر ہے کہ یہ حضرات ایک معاملہ کو مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا کرتے تھے۔ روایت کرتے وقت ان کے پیش نظر معنی و مفہوم ہوتا تھا۔ الفاظ نہ ہوتے تھے۔

علامہ سیف الدین الآمدی اس بارے میں لکھتے ہیں:

(والذی علیه اتفاق الشافعی، ومالک و ابی حنیفة واحمد بن حنبل، والحسن البصری و اکثر الائمة......) (۳۲)

جس اصول پر امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد، امام حسن بصری اور جمہور ائمہ کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ ایسے راوی کیلئے جو حدیث کے الفاظ و کلمات کی ترتیب و ترکیب اور معنی و مفہوم سے پوری طرح آگاہ نہ ہو روایۃ بالمعنیٰ حرام ہے...... اگر راوی حدیث کے متن کو اچھی طرح سمجھتا ہو اور الفاظ و کلمات کے معنی و مفہوم سے واقف ہو تو بھی بہتر یہ ہے کہ حدیث روایت کرتے وقت متن کے الفاظ کو ہو بہو نقل کرے کیونکہ اس میں کمی بیشی اور تغییر و تاویل کا احتمال کم ہے۔ اگر راوی عالم ہے اور متن کے الفاظ کے مفہوم و مقاصد سے پوری طرح باخبر ہے تو اس کے

لئے جائز ہے کہ ''روایۃ بالمعنیٰ'' کرے...... مقصد یہ ہے کہ ''روایۃ باللفظ'' بہر حال قابل ترجیح ہے...... لیکن عالم راوی کے لئے ''روایۃ بالمعنیٰ'' کا جواز موجود ہے۔

حافظ ابن رجب نے امام ترمذی کا یہ قول نقل کیا ہے:

(اما من اقام الاسناد وحفظه وغيَّر اللفظ فان هذا واسع عند اهل العلم ، اذا لم يتغير المعنى) (۳۳)

جس راوی نے سند کو اچھی طرح حفظ کیا اور اسے برقرار رکھا لیکن متن میں الفاظ کی تبدیلی کی تو علمائے حدیث کے ہاں اس پہلو سے بڑی گنجائش ہے بشرطیکہ لفظ کی تبدیلی سے مفہوم میں تبدیلی نہ آئے۔

حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

(اما الرواية بالمعنى ،فالخلاف فيها شهير والاكثر على الجواز ايضاً) (۳۴)

جہاں تک روایۃ بالمعنیٰ کا تعلق ہے تو اس بارے میں علماء کا اختلاف مشہور ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک روایۃ بالمعنیٰ جائز ہے۔

امام غزالی اپنی کتاب ''**المستصفى من علم الاصول**'' میں لکھتے ہیں:

(نقل الحديث بالمعنى دون اللفظ حرام على الجاهل بمواقع الخطاب ، و دقائق الالفاظ......) (۳۵)

روایۃ بالمعنیٰ ایسے راوی کیلئے بالکل ناجائز ہے جو حدیث کے متن کی ترتیب وترکیب اور معنی ومفہوم سے ناواقف ہو...... لیکن اس راوی کیلئے جو محتمل وغیر محتمل، ظاہر اور اظہر، عام اور اعم کے فرق کا علم رکھتا ہے روایۃ بالمعنیٰ کو امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور جمہور فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ بشرطیکہ وہ متن کے معنی ومفہوم کو سوچ سمجھ کر نقل کرے۔

امام ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں:

(وحكم الخبر عن النبیّ أن يورد بنص لفظ لا يبدل ولا يغيَّر، الا فی حال واحدة ، وهی أن يكون المرء قد تثبت فيه و عرف معناه يقينا، فيسئل فيفتی بمعناه وموجبه، أو يناظر فيحتج بمعناه و موجبه، فيقول: حكم رسول الله بكذا ، و امر عليه السلام بكذا، وأباح عليه السلام بكذا ، ونهی عن كذاوحرم كذا، والواجب فی هذه القضية ماصح عن النبیّ وهو كذا) (۳۶)

حدیث کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے بغیر کسی تغیّر کے ہو بہو بیان کیا جائے۔ ہاں ایک صورت ایسی ہے جس میں حدیث کے مفہوم کو نقل کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ راوی ثقہ اور حدیث کے معنی و مفہوم کو یقینی طور پر جانتا ہو۔ جب اس سے سوال ہو تو وہ اس کے معنی و مفہوم کے مطابق جواب دے۔ جب وہ مناظرہ کرے تو اس کی بنیاد پر استدلال کرے اور کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں فیصلہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہ حکم دیا۔ آپ ﷺ نے اس بات کی اجازت دی اور اس بات سے منع فرمایا۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے۔

امام رازی کہتے ہیں:

(يجوز نقل الخبر بالمعنی وهو مذهب الحسن البصری ، وأبی حنيفة خلافا لإبن سيرين و بعض المحدّثين) (۳۷)

امام حسن بصری اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک روایۃ بالمعنی کی اجازت ہے ابن سیرین اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک اس کی اجازت نہیں۔

حافظ ابن رجب امام ترمذی کی رائے پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ومقصود الترمذی بهذا الفصل الذی ذكره ههنا ان من اقام الأسانيد و حفظها وغيَّر المتون تغيّرا لا يغير المعنی انه حافظ ثقة يعتبر بحديثه) (۳۸)

امام ترمذی نے یہاں جو گفتگو کی ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ جس راوی نے سند کو اچھی طرح یاد کیا اور اسے برقرار رکھا لیکن متن میں ایسی تبدیلی کی جس سے حدیث کے مفہوم میں تبدیلی نہ آئے ایسا راوی ثقہ اور ضابط ہے اور اس کی حدیث قابل اعتماد ہے اور یہ کہ روایۃ بالمعنی اس پہلو سے جائز ہے اور علماء سے اس پر عمل منقول ہے آپ کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ روایۃ بالمعنی پر علماء کے ہاں اجماع رہا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ علماء کی ایک بڑی جماعت کی رائے ہے اور امام احمد نے اس کی وضاحت کی ہے آپؒ کہتے ہیں کہ محدّثین روایۃ بالمعنی شروع سے کرتے چلے آرہے ہیں لیکن یہ صرف اس راوی کیلئے جائز ہے جو عربی زبان اور عربی کے مختلف لہجات کا عالم ہو۔ روایات کے الفاظ وکلمات کے معنی ومفہوم کو اچھی طرح سمجھتا ہو اور کلمات کے متبادل کلمات کے استعمال کی صلاحیت رکھتا ہو۔ امام شافعی نے ان شرائط کی وضاحت کی ہے۔

حافظ ابوبکر ابن العربی کا موقف یہ ہے کہ روایۃ بالمعنی کو دور صحابہ تک محدود رکھنا چاہئے صحابہ کرام اگر روایۃ بالمعنی کرتے تھے تو ان کے دور تک اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کے اقوال اور افعال کے براہ راست سامع اور شاہد تھے اور اصول یہ ہے کہ "شنیدہ کے شود مانند دیدہ"...... آپ لکھتے ہیں:

(إن هذا الخلاف انما يكون في عصر الصحابة و منهم . وأما من سواهم فلايجوز لهم تبديل اللفظ بالمعنى وإن استوفى ذلك المعنى، فانه لو جوّزنا لكل واحد لما كنّا على ثقة من الأخذ بالحديث......)(۳۹)

روایۃ بالمعنی کے سلسلہ میں اختلاف صحابہ کرام کے دور سے شروع ہوا اور اب تک چل رہا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ صحابہ کرام کے علاوہ کسی اور کیلئے روایۃ بالمعنی کی اجازت دینا مناسب نہیں۔ اگر چہ اس کا مفہوم پوری طرح منتقل ہوا گر ہم نے روایۃ بالمعنی کی اجازت ہر ایک راوی کو دے دی۔ تو اس طرح اخذ حدیث کے سلسلے میں ہمارے اعتماد کی بنیاد ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ہمارے دور تک ہر ایک راوی نے یکے بعد دیگرے متن کو بدل دیا ہوگا۔ اور متن کے الفاظ وکلمات میں کئی بار تبدیلی آچکی ہوگی۔ ہر ایک راوی نے اپنے ذہن اور سطح کے مطابق الفاظ کا انتخاب کیا ہوگا اور حدیث کے اصل الفاظ مرور زمانہ کے ساتھ گم ہو چکے ہوں گے۔ جہاں تک صحابہ کرام کا تعلق ہے تو ان کا معاملہ بالکل مختلف ہے۔ ان میں دو خصوصیات ایسی تھیں جو بعد کے ادوار کے رواۃ کو حاصل نہیں ہوسکتیں۔

ایک یہ کہ ان کی زبان بہت صاف اور فصیح و بلیغ تھی۔ دوسری یہ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو براہ راست سنا اور آپ ﷺ کے افعال کا مشاہدہ کیا۔ براہ راست سماع اور مشاہدہ کی وجہ سے انہوں نے روایات کے معانی کا پوری طرح ادراک کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ براہ راست سننے اور دیکھنے والے کی معلومات میں جو وثوق ہوتا ہے وہ بالواسطہ سننے والے کی معلومات میں نہیں ہوسکتا۔

آپ دیکھتے نہیں کہ صحابہ کرام جب حدیث روایت کرتے ہیں تو کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔ اور ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ ان کا اس طرح روایت کرنا بالکل درست اور یقینی ہوتا ہے اگر چہ روایت کرتے وقت یہ الفاظ کا خیال نہیں رکھتے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

علامہ عبدالعلی نے اپنی کتاب ''فواتح الرحموت'' میں روایۃ بالمعنی پر بحث کی ہے۔ اس ضمن میں آپ نے امام فخر الاسلام کے اصول کی وضاحت کی ہے...... یہاں ہم اس بحث کا مفہوم پیش کر رہے ہیں۔

امام فخر الاسلام نے جو بحث کی ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ روایت کی پانچ قسمیں ہیں:

(i) متن بالکل واضح ہو اور اس میں تاویل کی گنجائش نہ ہو جیسے مفسر اور محکم۔

(ii) متن میں تاویل کا احتمال ہو۔

(iii) متن ایسے الفاظ و کلمات پر مشتمل ہو جن میں اشتراک اور اشکال پایا جائے اور تاویل کے بغیر کام نہ چل سکے جیسے مشترک اور مشکل۔

(iv) تاویل کے باوجود متن کے اصل مفہوم کا ادراک نہ ہو سکے جیسے متشابہ۔

(v) جوامع الکلم۔

- جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے اس کی روایۃ بالمعنی ہر اس راوی کیلئے جائز ہے جو عربی زبان سے پوری طرح واقف ہو۔ ایسی حدیث میں چونکہ تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی اس لئے اس کے مفہوم کو سمجھنے میں غلطی کا احتمال نہیں ہوتا۔

- دوسری قسم میں روایۃ بالمعنی صرف اس راوی کیلئے جائز ہے جو فقیہ ہو اگر غیر فقیہ کو اس صورت میں روایۃ بالمعنی کی اجازت دی جائے تو ممکن ہے وہ ایسا متبادل لفظ استعمال کرے جو اس تاویل کا متحمل ہی نہ ہو۔ جہاں تک فقیہ کا تعلق ہے تو وہ ہر لفظ کے موقع ومحل کو پہچانتا ہے اس لئے وہ ایسا کوئی لفظ استعمال نہیں کرے گا جس سے متن کا مفہوم بدل جائے۔
- تیسری قسم میں روایۃ بالمعنی بالکل جائز نہیں۔اس لئے کہ اس کا مفہوم تاویل کے بغیر واضح نہیں ہوسکتا۔تاویل میں چونکہ رائے کا استعمال ہوتا ہے اور رائے میں خطا وصواب دونوں کا امکان ہے۔اس طرح ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسے حکم کی نسبت ہوجائے جس کا تعلق آپ علیہ الصلوۃ والسلام سے نہ ہو۔
- چوتھی قسم وہ ہے جس میں روایۃ بالمعنی کی گنجائش ہی نہیں اس لئے کہ متشابہ کے معنی تو تاویل کے باوجود سمجھ میں نہیں آتے۔ جہاں تک پانچویں قسم کا تعلق ہے تو اس کی روایۃ بالمعنی بھی جائز نہیں اس لئے کہ جوامع الکلم رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ مختص ہیں۔اوران کے متبادل الفاظ لائے ہی نہیں جاسکتے۔(۴۰)

جو حضرات ''روایۃ بالمعنی'' کے مشروط جواز کے قائل ہیں انہوں نے اس بارے میں جو شرائط وضع کی ہیں یہاں ترتیب کے ساتھ ان شرائط کو پیش کیا جاتا ہے۔

(i) ''روایۃ بالمعنی'' اس راوی کیلئے جائز ہے جسے حدیث یاد تھی لیکن بعد میں ایسا ہوا کہ متن کے الفاظ و کلمات اس کے ذہن سے اتر گئے اور معنی ومفہوم محفوظ رہا۔(۴۱)

(ii) روایۃ بالمعنی اس راوی کیلئے جائز ہے جس کے پاس الفاظ کا بھرپور ذخیرہ ہو اور وہ الفاظ کے استعمال کی صلاحیت رکھتا ہو۔(۴۲)

(iii) مفردات میں لفظ کی تبدیلی جائز ہے لیکن مرکبّات میں نہیں۔ اس لئے کہ مرکبّات کے متبادل مرکبات کا لانا بہت مشکل ہوتا ہے۔(۴۳)

(iv) ''روایۃ بالمعنی'' ایسے راوی کیلئے جائز ہے جو الفاظ ومعانی کے مدلولات اور دقائق کا عالم ہو۔ یہ جمہور فقہاء اور محدّثین کا موقف ہے۔(۴۴)

(v) مترادفات کا استعمال جائز ہے۔ بشرطیکہ واقعی مترادفات ہوں اوران سے صحیح مفہوم ادا ہوتا ہو۔(۴۵)

(vi) حدیث رسول ﷺ میں ''روایۃ بالمعنیٰ'' جائز نہیں جبکہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے آثار میں جائز ہے۔(۴۶)

(vii) جوامع الکلم میں ''روایۃ بالمعنیٰ'' جائز نہیں کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے۔(۴۷)

(viii) حدیث کا تعلق اگر امور تعبدّی سے ہو تو اس کی روایۃ بالمعنیٰ جائز نہیں ہے جیسے تکبیر صلوٰۃ، تشہد وغیرہ۔

(ix) اگر حدیث کا تعلق احکام سے ہے تو روایۃ بالمعنیٰ کی صورت میں راوی کیلئے فقیہ ہونا ضروری ہے(۴۸)

(x) ''روایۃ بالمعنیٰ'' صحابی کیلئے جائز ہے۔ غیر صحابی کے لئے جائز نہیں۔(۴۹)

علامہ طاہر بن صالح الجزائری نے امام قرافی کے حوالے سے تین شرائط کا تذکرہ کیا ہے۔

(i) متبادل الفاظ اصل الفاظ کے مفہوم کو پوری طرح ادا کرتے ہوں۔

(ii) متن میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ آئے۔

(iii) ظاہری اور باطنی ہر لحاظ سے مفہوم کی ادائیگی میں فرق نہ آئے۔

یہ تینوں شرائط ملتی جلتی ہیں......اور دیگر علماء نے جو شرائط بیان کی ہیں ان میں یہ بھی شامل ہیں۔(۵۰)

دلائل

جن علماء کے نزدیک روایۃ بالمعنیٰ شروط کے ساتھ جائز ہے انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں نقلی اور عقلی دلائل دیئے ہیں۔ متقدمین اور متاخرین کے دلائل میں بڑی حد تک یکسانیت ہے۔ علامہ سیف الدین الآمدی نے اپنی کتاب ''الإحكام فی أصول الاحكام'' میں ان دلائل کو بہت عمدہ ترتیب کے ساتھ پیش کیا ہے۔

علامہ آمدی لکھتے ہیں:

(والمختار مذهب الجمهور،ویدل علیه النص،الإجماع والمعقول)(۵۱)

روایۃ بالمعنی کے سلسلے میں جمہور کا موقف پسندیدہ ہے اس موقف کی تائید نص، اجماع اور عقل سے ہوتی ہے۔

نص

امام احمد نے اس ضمن میں دو دلائل پیش کئے ہیں ایک تو عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت جس کا متن یہ ہے:

(ان رجلا سأل النبیّ وقال له: یا رسول الله! تحدثنا بحدیث لا نقدر أن نسوقه کما سمعناه، فقال: إذا أصاب احدکم المعنی فلیحدث) (۵۲)

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

''اللہ کے رسول ﷺ! ہم آپ سے آپ کے ارشادات سنتے ہیں۔لیکن جن الفاظ کے ساتھ آپ سے سنتے ہیں ان الفاظ کے ساتھ دوسروں کے سامنے بیان نہیں کر سکتے۔اس بارے میں آپ کا فرمان کیا ہے؟''۔

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا:

''جب تم میں سے کوئی میری حدیث سن لے اور وہ اس کے صحیح مفہوم کو دوسروں کے سامنے بیان کر سکے تو اسے چاہیے کہ دوسروں کے سامنے بیان کیا کرے''۔

اس حدیث کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ٹکرا رہی ہے جس میں ''ادّاھا کما سمعھا'' منقول ہے اور جسے ''روایۃ بالمعنی'' کے مخالفین اپنے موقف کے حق میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔امام غزالی اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔

''یہ حدیث بذات خود مختلف الفاظ سے منقول ہے۔اگر چہ اس بات کا امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر مختلف الفاظ استعمال کئے ہوں لیکن غالب امکان یہ ہے کہ یہ

ایک حدیث ہے جو مختلف الفاظ میں مختلف رواۃ سے منقول ہے۔ کہیں "رحم اللہ امرأً" کے الفاظ آتے ہس اور کہیں "نضر اللہ امرأً" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ "ربّ حامل فقه لا فقه له" کے کلمات آئے ہیں اور کہیں "حامل فقہ غیر فقیہ" کے کلمات استعمال کئے گئے ہیں"۔

یہی حال ان خطبات اور واقعات کا ہے جنہیں مختلف رواۃ نے مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے...... یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "روایۃ بالمعنیٰ" جائز ہے۔ (۵۳)

اس ضمن میں دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مختلف علاقوں میں وہاں کے لوگوں کو سمجھانے کیلئے اپنے نمائندوں کو بھیجا...... یہ نمائندے آپ علیہ السلام کی ہدایات اور احکام اپنے الفاظ، اپنے انداز اور اسلوب میں وہاں کے عوام تک پہنچاتے تھے۔ یہ عمل دورِ رسالت میں متداول رہا۔

اجماع

اجماع کے سلسلہ میں علاّمہ آمدی لکھتے ہیں:

(وأما الاجماع فما روی عن إبن مسعود رضی اللّٰه عنه أنه كان اذا حدث قال: قال رسول اللّٰه ﷺ هكذا، أو نحوه، ولم ينكر عليه منكر، فكان اجماع) (۵۴)

جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو اس ضمن میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ عمل معروف و مشہور ہے کہ آپؓ جب حدیث بیان کرتے تو کہتے: رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا۔ یا۔ اس طرح فرمایا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر کسی نے بھی کلام نہیں کیا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ صحابہ کرام کے ہاں آپ رضی اللہ عنہ کا یہ عمل ناپسندیدہ نہیں تھا۔

اسی طرح ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی آتا ہے کہ جب آپ رضی اللہ عنہ حدیث بیان کرتے تو کہتے **(أو نحو هذ أو شبهه)**

آ ثار

روایۃ بالمعنی کے جواز کے ضمن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال اس سے پہلے آپ پڑھ چکے ہیں......علامہ آمدی نے آ ثار کے ضمن میں جو روایت پیش کی ہے وہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

(عن محكول انه قال: دخلنا على واثلة بن الأسقع فقلنا : حدثنا حديثاً ليس فيه تقديم ولا تاخير، فغضب و قال: لا بأس اذا قدمت و اخرت إذا اصبتم المعنى) (٥٥)

مکحول دمشقی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

ہم واثلہ بن الاسقع کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوران گفتگو ہم نے عرض کیا: ہمیں ایسی حدیث سنایئے جس میں کسی قسم کی تقدیم وتاخیر نہ ہو۔ ہماری یہ بات سن کر آپؓ کو اچھی نہیں لگی۔ پھر فرمایا۔ اگر تم حدیث کا معنی ومفہوم سمجھ لو تو الفاظ میں تقدیم وتاخیر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

عقلی دلیل

علامہ سیف الدین الآمدی نے نقلی دلائل کے بعد اس موضوع پر عقلی بحث کی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔

(واما المعقول فمن وجهين : الاول. ان الاجماع منعقد على جواز شرح الشرع للعجم بلسانهم) (٥٦)

جہاں تک عقلی دلیل کا تعلق ہے تو اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ اہل عجم کے لئے ان کی زبان میں احکام شرعیہ کی تعبیر وتشریح کے جواز پر اجماع اور اتفاق ہے اس لئے اگر کسی نص کے مفہوم کو سمجھانے کے لئے غیر عربی الفاظ کا استعمال ہوسکتا ہے تو عربی الفاظ کو مترادف الفاظ کے ساتھ پیش کرنے میں کیا حرج ہے۔

دوسری بات یہ کہ الفاظ مقصود بالذات نہیں ہوتے۔ معانی اور مفاہیم مقصود ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ

رسول اللہ ﷺ ایک مفہوم کئی الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ اصل مقصود معنی ہے اگر معنی حاصل ہو جائے تو الفاظ کے اختلاف کا کوئی فرق نہیں پڑتا۔

''روایۃ بالمعنیٰ'' میں ضروری ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن سے راوی کا محتاط رویہ ظاہر ہوتا ہو۔ مثلاً ''أو کما قال''، ''أو کما ورد'' وغیرہ عبداللہ بن مسعودؓ، ابوالدرداءؓ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم اس قسم کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل زبان تھے اور کلام کے مفہوم کو سمجھنے میں انہیں کوئی دقت نہیں تھی''

ان سے اس طرح کے جو الفاظ منقول ہیں یہ دراصل احتیاط اور خطا کے خوف کی وجہ سے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ روایت بالمعنیٰ میں کیا کیا احتمالات ہو سکتے ہیں۔ (۵۷)

حافظ ابن الصلاح خطیب کی عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

(قلت: واذا اشتبه على القارى فيما يقراه لفظة فقرأها على وجه يشك فيه') (۵۸)

اس سلسلے میں ہماری رائے یہ ہے کہ جب راوی کو متن کے کلمات میں اشتباہ ہو جائے اور وہ کسی لفظ کو شک کے ساتھ ادا کر دے اور اس شک کی بناء پر روایت کے آخر میں کہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یوں کہا یا یوں کہا تو یہ بہت اچھی بات ہے اور ایسی صورت میں ایسا کہنا بالکل درست ہے۔ اس لئے کہ راوی کا ''اوَ کما قال'' کہنا روایت کی اجازت میں شامل ہے۔ راوی کو روایت کی اجازت اس صورت میں ہوتی ہے جب متن کے بارے میں اس کا ذہن بالکل صاف اور واضح ہو۔ اگر وہ ''اُوکما قال'' کہہ کر روایت کرتا تو پھر ''الاجازۃ'' کی شرط نہیں رہتی۔ جیسا کہ ہم پہلے اس پر بحث کر چکے ہیں۔

''روایۃ بالمعنیٰ'' کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں جو اختلاف علماء کے ہاں ملتا ہے۔ ان ساری تفصیلات اور بحث و تمحیص کا تعلق اس دور سے ہے جب حدیث کی روایات تدوین و ترتیب کے مراحل میں تھیں۔ اب جب

حدیث کے ذخائر مختلف عنوانات اور انواع کے تحت مرتب شکل میں محفوظ ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کتب میں محفوظ روایات کو باالفظ بیان کیا جائے اور بالمعنی روایت سے اجتناب کیا جائے۔ اب مصادر و مآخذ کی طرف رجوع کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اگر کسی کو اشتباہ ہو بھی جائے تو اس کا ازالہ بآسانی ہو سکتا ہے۔

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

(ثم إن هذا الخلاف لا نراه جاريا ولا اجراه الناس فيما نعلم فيما تضمنته بطون الكتب، فليس لأحد أن يغيّر لفظ شئى من كتاب مصنف و يثبت بدله فيه لفظاً آخر بمعناه) (٥٩)

جہاں تک ''روایۃ بالمعنیٰ'' کے سلسلے میں اختلاف کا تعلق ہے تو یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ہم اس اختلاف کو جاری نہیں سمجھتے۔ ہمارے مطالعہ اور معلومات کے مطابق علماء نے اس اختلاف کو (تدوین روایات) کے بعد جاری نہیں رکھا۔ اس بناء پر اب کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ کسی ''مصدر'' اور ''ماخذ'' کی حدیث کے الفاظ میں تبدیلی کر سکے۔ اور اپنی طرف سے مترادف الفاظ اس میں داخل کرے۔ ''روایۃ بالمعنیٰ'' کی اجازت جن علماء نے دی اور جن علماء کو دی یہ اس وقت کی بات ہے جب الفاظ کو ضبط کرنے اور ہو بہو برقرار رکھنے میں دقت اور مشقت تھی (اور تدوین و ترتیب روایات کا کام جاری تھا) اب صورت حال یہ ہے کہ روایات کے الفاظ و کلمات اوراق و کتب میں محفوظ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص الفاظ میں تبدیلی کرنا چاہے تو مصادر میں تبدیلی کرنا اس کے بس میں نہیں۔ اس لئے اب ''روایۃ بالمعنیٰ'' کی گنجائش نہیں۔

''روایۃ بالمعنیٰ'' کے بارے میں اس بحث اور علماء کے اقوال سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ حدیث کی روایات کو ضبط کرنے کے سلسلے میں ہمارے اسلاف نے انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے۔ ان حضرات نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال امت مسلمہ کے افراد تک پوری صحت کے ساتھ پہنچائیں۔

آج جو لوگ ''روایۃ بالمعنیٰ'' کو بنیاد بنا کر یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ حدیث کے بنیادی مصادر میں جو روایات موجود ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات نہیں ہیں بلکہ محدثین کے خودساختہ الفاظ وکلمات ہیں یہ لوگ کہتے ہیں کہ محدثین نے ''روایۃ بالمعنیٰ'' کی آڑ میں اپنی مرضی کی عبارات کو ترتیب دے کر حدیث کا نام دیا ہے۔ ان لوگوں میں زیادہ تر تو ایسے ہیں جنہیں محدثین اور مجتہدین کے اصولوں کا علم ہی نہیں۔ محض سنی سنائی باتوں یا سطحی مقالات کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے اپنا ذہن بنالیا ہے اور کچھ ایسے ہیں جو جان بوجھ کر محض ضد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر بہت دور کی کوڑی لا کر ان افراد کا ذہن خراب کرنا چاہتے ہیں جنہیں حدیث اور علمِ حدیث کے اصولوں کا علم نہیں۔ یہ لوگ اگر پوری دیانت کے ساتھ محدثین اور فقہا کے مساعی اور مبادی کا مطالعہ کریں۔ تو انہیں یہ اعتراف کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ علماء نے اس علم کی خدمت محض علم کے طور پر نہیں کی بلکہ عبادت اور ذریعہ نجات کے طور پر کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کا تعلق اس علم سے رہا انہوں نے اپنی تمام ظاہری اور باطنی صلاحیتوں کو اس کی خدمت، ترویج اور آبیاری کے لئے استعمال کیا۔

''روایۃ بالمعنیٰ'' کے ضمن میں راوی کے لئے جو کڑی شرائط علماء نے رکھی ہیں۔ ان کا مطالعہ ایک حد تک مقالہ میں آ گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال کے تقابلی جائزہ پر بھی گفتگو کی گئی۔ مقالہ میں چونکہ تفصیلات کی گنجائش نہیں ہوتی اس لیے بنیادی اور اساسی جوانب کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی مواد تک رسائی کے لیے ان ماخذ ومراجع کا مطالعہ کرنا مفید ہوگا۔ جن کا تذکرہ بحث کے ذیل میں کرلیا گیا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن الصلاح، ابوعمرو، الحافظ............علوم الحدیث ص:۲۱۳............المطبعۃ العلمیۃ بحلب۔

۲۔ الامام ابوحامد محمد بن محمد الغزالی............المستصفیٰ من علم الاصول: ج ۱، ص ۱۶۸۔

۳۔ ابن الصلاح۔ علوم الحدیث۔ ص:۲۱۳۔

۴۔ ابن حزم، علی ابن احمد الظاہری۔ الإحکام فی اصول الاحکام۔ ج ۲، ص:۸۴۔ دار الحدیث۔ القاہرہ۔

۵۔ الآمدی، علی بن ابی علی بن محمد، سیف الدین۔ الاحکام فی اصول الاحکام۔ ج ۲۔ ص:۱۴۶۔

۶۔ العراقی، عبدالرحیم بن الحسین۔ التقیید والایضاح: ص ۲۲۶۔ دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر بیروت۔ لبنان۔

۷۔ ابن حجر، احمد بن علی، شہاب الدین العسقلانی۔ نزہۃ النظر۔ ص:۹۴۔

۸۔ السیوطی، عبدالرحمٰن بن الکمال، ابوبکر جلال الدین۔ تدریب الراوی: ج ۲، ص ۹۲۔ المکتبۃ العلمیۃ بالمدینۃ المنورۃ

۹۔ الشافعی، محمد بن ادریس الإمام۔ الرسالۃ۔ ص ۴۷۴۔

۱۰۔ الخطیب، احمد بن ثابت، ابوبکر البغدادی، الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ ص:۲۰۵۔

۱۱۔ السیوطی۔ تدریب الراوی۔ ج ۲، ص:۹۳۔

۱۲۔ القاسمی، جمال الدین الدمشقی، قواعد التحدیث، ص:۲۳۲۔

۱۳۔ ایضاً۔

۱۴۔ ایضاً۔

۱۵۔ ایضاً۔

۱۶۔ ایضاً۔

۱۷۔ ایضاً۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ: ص ۱۹۸۔

۲۰۔ ابن رجب، عبدالرحمٰن الحنبلی۔ شرح علل الترمذی۔ ج۱،ص:۱۴۵۔

۲۱۔ الإحکام فی أصول الاحکام: الآمدی۔ ج۲،ص:۱۴۷۔

۲۲) السخاوی، شمس الدین۔ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث۔ ج۳،ص:۱۴۰۔

۲۳) الترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ، الإمام۔ الجامع۔ ج۵،ص:۳۵۔

۲۴) الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ ص:۱۷۳۔

۲۵) ایضاً۔

۲۶) الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ ص:۱۷۶۔

۲۷) الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ ص۱۷۷۔

۲۸) الکفایۃ فی علم الروایۃ۔ الکفایۃ: ص۱۷۸۔

۲۹) تدریب الراوی۔ ج۲،ص:۹۵۔

۳۰) الجزائری، طاہر بن صالح۔ توجیہ النظر إلی اصول الأثر۔ ص:۳۰۵۔

۳۱) التقیید والایضاح۔ ص۲۲۶۔

۳۲) الإحکام فی اصول الاحکام للآمدی۔ ج۲،ص:۴۶۔

۳۳) شرح علل الترمذی۔ ج۱،ص۱۴۵۔

۳۴) نزھۃ النظر۔ ص:۹۴۔

۳۵) الغزالی، ابوحامد محمد بن محمد الإمام۔ المستصفیٰ من علم الأصول۔ ج۱،ص۱۶۸۔

۳۶) الإحکام فی اصول الاحکام للامام ابن حزم۔ ج۲،ص:۸۶۔

۳۷) توجیہ النظر إلی أصول الاثر۔ ص:۳۰۰۔

۳۸) شرح علل الترمذی، ج۱،ص۱۴۵۔

۳۹) ابن العربی، محمد بن عبداللہ، الإمام۔ احکام القرآن۔ دار الکتاب العربی۔ بیروت، لبنان۔

۴۰) بحر العلوم، عبدالعلی۔ فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت۔ ج۲،ص:۱۶۷۔

۴۱) شیخ أحمد محمد شاکر۔ الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث۔ ص:۷۴۔

۴۲۔ نزھۃ النظر۔ ص:۹۵۔

۴۳۔ ایضاً۔

۴۴۔ الإحکام فی اصول الاحکام ۔للآمدی ۔ج ۲،ص:۱۴۶۔

۴۵۔ ایضاً۔

۴۶۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ ۔ص:۱۸۸۔

۴۷۔ تدریب الراوی ۔ج ۲،ص:۹۵۔

۴۸۔ فواتح الرحموت ۔ج ۲،ص:۱۶۔

۴۹۔ احکام القرآن للامام ابن العربی ۔ج ۱،ص:۱۰۔

۵۰۔ توجیہ النظر ۔ص:۳۰۰۔

۵۱۔ الاحکام فی اصول الأحکام للآمدی ۔ج ۲،ص:۱۴۷۔

۵۲۔ أحمد بن محمد بن حنبل الإمام ۔مُسند ۔مُسند ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔

۵۳۔ المستصفیٰ من علم الأصول ۔ج ۱،ص:۱۴۹۔

۵۴۔ الإحکام فی أصول الاحکام للآمدی، ج ۲،ص:۱۴۷۔

۵۵۔ الاحکام للإمام الآمدی ۔ج ۲،ص:۱۴۸۔

۵۶۔ ایضاً۔

۵۷۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ ۔ص:۲۰۵۔۲۰۶۔

۵۸۔ مقدمۃ ابن الصلاح ۔ص:۲۱۵۔

۵۹۔ مقدمۃ ابن الصلاح ۔ص:۲۱۴۔